© rasailojaraid.com

زندگی میں بالکل نہیں ہے۔

مذکورۂ بالا مطلب ایک دوسری مثال سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے:

فرض کیجیے کہ کسی پہاڑ میں متعدد غاروں کے نشانات ہمیں نظر آئے۔ ان میں سے صرف ایک بہت بڑا غار باقی رہ گیا اور بقیہ فنا ہو گئے۔ انھیں دیکھ کر آپ یہی کہیں گے کہ وہ کچھ نیچرل اسباب و علل کی وجہ سے رفتہ رفتہ مٹ گئے۔ یہ ایک بڑا غار انتخاب طبیعی اور بقائے اصلح کے اصول کے ماتحت باقی رہ گیا کیونکہ اس کا دہانہ بہت وسیع، اس کی گہرائی بہت زیادہ، اس کے پتھر زیادہ مضبوط تھے، لیکن اگر اس غار کی دیواروں پر ابھرے ہوئے خوبصورت تاریخی نقش و نگار دکھائی دیں تو انھیں ہرگز کوئی صاحب عقل انتخاب طبیعی اور بقائے اصلح کے اصول کا نتیجہ نہیں قرار دے گا۔ کیونکہ جو چیز ان اصول کا نتیجہ ہو سکتی ہے وہ فقط اس غار کی بقا ہے۔ یہ مزید خصوصیات جن کے ہونے اور نہ ہونے کی نسبت اس غار کی بقا کے لحاظ سے یکساں ہے، انتخاب طبیعی اور بقائے اصلح کا اصول ان کا سبب نہیں ہے۔ کیونکہ جس چیز کا تعلق اس اصول سے ہے وہ فقط اس غار کا پائیدار اور مضبوط ہونا ہے۔ اس سے ان مزید خصوصیات کا کوئی ربط نہیں ہے جن کے وجود اور عدم دونوں کی حیثیت ان کے باقی رہنے کے لحاظ سے یکساں ہے۔ اس بنا پر موجودات عالم کی یہ نزاکت و لطافت، ان کے بارے میں جس باریک بینی سے کام لیا گیا ہے وہ غیر مبہم طور پر بتا رہی ہے کہ زندگی کے ابتدائی شرائط سے بہت بلند سطح پر نقطۂ کمال قرار دیا گیا ہے۔ ان موجودات کو دیکھ کر بآسانی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے وجود کا ایک مقصد ہے۔ انھیں گویا کسی سابقہ منصوبہ اور پروگرام کے پیش نظر وجود میں لایا گیا ہے۔

<u>تدریجی ارتقاء کا قائل دکھلائیے!</u> گزشتہ دو اعتراضوں سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی... مادہ پرستوں کے مذکورہ ارشاد میں یہ کمزوری نظر آتی ہے کہ اگر وہ صحیح ہے تو اس زمین کی جو کھدائیاں بارہا ہوا کرتی ہیں ان کے اندر سے ان ناقص اور ناموزوں موجودات کے ڈھانچے نکلنا چاہئیں جو ان کے نقطۂ نظر کی پرزور تائید کریں۔ جو ہمیں صاف لفظوں میں یہ بتائیں کہ جو مرتب و موزوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور منظم چیزیں تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں انھیں ہزاروں ناموزوں اور غیر منظم موجودات کے درمیان سے چھانٹ لیا گیا ہے۔ لاکھوں برس کی تبدیلیوں کے بعد انھوں نے یہ دیدہ زیب، خوشنما، تمام ضروریات زندگی کے مطابق شکل وصورت پائی ہے لیکن اسے کس کی خوش قسمتی یا بدقسمتی سمجھا جائے کہ آثار قدیمہ کا زندہ اور جیتا جاگتا علم اس کے خلاف فیصلہ کر رہا ہے؟ ہم جتنا جتنا الٹے پیروں پیچھے ہٹتے چلے جاتے ہیں اور گزشتہ موجودات کے باقی ماندہ گھسے ہوئے ڈھانچوں کا معائنہ کرۂ زمین کے مختلف طبقات کے سینہ میں کرتے ہیں اتنا اتنا ہمارا یہ عقیدہ مستحکم اور پختہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ وہ سب کے سب اپنی جگہ انتہائی مرتب اور منظم ہیں۔ ان میں کوئی کمی نہیں ہے۔ اگرچہ وہ ہو بہو اس زمانے کے موجودات کے مانند نہیں ہیں۔ لیکن ان سے ملتے جلتے ضرور ہیں۔ زندگی کے باقی رہنے کے لیے اس دور کے موجودات کے پاس جو کچھ ہے وہی سب ان کے پاس بھی ہے۔

کیوں جناب اگر ایک اندھے، آرٹ سے ناواقف شخص کے ہاتھ میں پنسل یا قلم دے دیں اور اس سے فرمائش کی جائے کہ اس کاغذ پر طوطے کی تصویر بنا دو تو شاید سیکڑوں کاغذ خراب کرنے کے بعد بھی وہ آپ کی فرمائش پوری نہ کر سکے گا۔ یہ ہزاروں کاغذ ردّی کی ٹوکری میں جھونک دینے یا دیا سلائی دکھا دینے کے قابل ہوں گے۔ اگر یہ موجوداتِ عالم، انسان اور جاندار گونگے، بہرے، اندھے، بے بس، بے عقل نیچرل اسباب کی غیر اختیاری کارفرمائی کا نتیجہ ہیں تو ان کو وجود میں لانے کی خاطر جو لاکھوں یا کروڑوں صاف ستھرے کاغذوں پر کا داک، بے تکی، ناموزوں، غیر منظم لکیروں کو بنا کر ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا گیا وہ کہاں ہیں؟ زمین کی کس تہ میں دبے ہوئے ہیں۔؟ ہمارے معزز مادہ پرست مفکرین کیوں چپ ہیں۔؟ کس لیے وہ ہمارے سوال کا جواب نہیں دیتے۔؟[1]

---

[1] یہ سلسلۂ مضامین مندرجۂ ذیل کتابوں سے ماخوذ ہے۔
آفریدگار جہاں: خدا شناسی۔ حواریین آلِ الٰہیّن وا لمادیین۔ جہاں آفرین۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنگ آزادی کا مجاہد

مولوی احمد اللہ شاہ فیض آبادی

(از جناب ہدایت الرحمٰن صاحب محسنی۔)

۱۸۵۷ء کی سپاہیوں کی بغاوت اور اس سے پیدا ہونے والے حالات کی جو تاریخ باقاعدہ طور پر تحریر میں آسکی ہے وہ زیادہ تر برطانوی سول اور فوجی افسران کی تحریرات اور تصنیفات پر مبنی ہے۔ ان کے قومی نصب العین اور سیاسی مفاد کی رنگ آمیزی سے قطع نظر کرکے مجموعی طور پر تمام تاریخی مواد میں ایک تاثر مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ سپاہیوں کی بغاوت کے شعلے بہت جلد ایک ہمہ گیر جنگِ آزادی کی آگ میں تبدیل ہو گئے تھے اور اس نے سارے ملک کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس جہادِ حریت میں سرفروشانہ طور پر شرکت کرنے والے مسلمان رہنماؤں کے ناموں میں مولوی سرفراز علی اور مولوی احمد شاہ فیض آبادی سرِ فہرست ہیں۔ اول الذکر نے اپنے خطبات کے ذریعہ عوام میں آزادی کی روح پھونکی اور جنگی حوصلوں کو بڑھاوا دیا۔ جبکہ مولوی احمد اللہ شاہ نے انتہائی حوصلہ شکن حالات میں باغیوں کی جنگی سرگرمیوں کی کمان اپنے ہاتھ میں سنبھال کر ان کو شکست آشنا جنگی مورچوں سے علیحدہ کر کے گوریلا جنگ کا عملی سبق سکھایا پھر ہر آزمائش اور ہر معرکہ میں انھوں نے نہ صرف صفِ اول میں رہ کر ان کی رہنمائی کی بلکہ ان کے دلوں میں یہ بات بٹھادی کہ شکست و فتح کے ادنیٰ مقاصد سے بلند تر بھی ایک مقصد ہے اور وہ ہے اپنے دین کے سلسلہ میں احساس فرض اور اس کی ادائیگی۔

احمد اللہ شاہ نے اپنی معرکۃ الآراء جنگ کا اس وقت آغاز کیا جب ستمبر ۱۸۵۷ء کی برطانوی افواج کی فتح دہلی سے باغیوں کے حواس پراگندہ تھے۔ ان کی جنگی خدمات اس لیے بھی اعلیٰ قدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منزلت کی حامل ہیں کہ یہ انہی کا طریقہ کار تھا جس نے ۱۸۵۷ء کے موسم گرما میں انگریزوں کی فاتحانہ جارحیت پر ضربِ کاری لگائی۔ اور ہندوستان کی سرزمین سے ان کے قدم ایک بار پھر اکھڑنے لگے۔ مسٹر مالیسن (Mollison, G.B.) کے حوالہ سے ڈاکٹر ششی بھوشن چودھری اپنی تصنیف "Civil Rebellion in Indian Mutiny" میں لکھتا ہے کہ جنوری ۱۸۵۸ء تک جنگِ آزادی کا جذبہ ہمہ گیر ہو چکا تھا اور اس کے بعد ایک وقت ایسا آگیا تھا کہ برطانیہ کی طاقت چور چور ہوتی معلوم ہوتی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سول اور فوجی افسروں کا اثر اودھ کے فسادزدہ علاقہ میں صرف ایک تیلی سی پٹی پر رہ گیا تھا جبکہ اس کے شمالی اور جنوبی علاقے دروبست حریت پسند باغیوں کے ہاتھ میں آ چکے تھے۔ بیگم حضرت محل کے زیر اثر ان قابو یافتہ باغیوں میں ہردت سنگھ، فیروز شاہ، بینی مادھو، مولوی احمد اللہ شاہ، اور ہنومنت سنگھ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر ششی بھوشن چودھری آگے چل کر احمد اللہ شاہ کے بارہ میں تحریر کرتے ہیں۔

"اس وقت فیض آباد کے مولوی کی جنگی خدمات بہت زیادہ بلند مرتبت ہو کر سامنے آئیں۔ ان کے مخصوص طریقۂ کار (گوریلا جنگ) نے ۱۸۵۸ء میں باغیوں کی شکست کو فتوحات سے از سر نو آشنا کرایا۔ اس تحریک و عمل کو روبکار لانے میں ان کے معاونین میں محمدی کا راجہ اور لکھنؤ کے عمائد میں سے میاں صاحب قابلِ ذکر ہیں۔ مولوی فیض آبادی کی غیر معمولی جنگی کارکردگی سے عاجز ہو کر انگریز حکام نے ان کے سر کے عوض پچاس ہزار روپیہ کا انعام کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ جب ۳۰ر اپریل ۱۸۵۸ء کو برطانوی فوج شاہجہاں پور پہنچی تو جوابی کارروائی کے طور پر مولوی احمد اللہ نے کرنل ہیل کے فوجی دستہ متعینہ مقامی جیل کو کڑے محاصرہ میں لے لیا۔ ۳ر مئی سے ۱۱ر مئی تک اس کو ایسا بے دست و پا کیے رکھا کہ مجبور ہو کر سر کولن کیمبل نے جنرل جونس کو کرنل ہیل کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ اس دباؤ سے مولوی احمد اللہ شاہ کو اپنی گرفت ڈھیلی کرنی پڑی اور آخر وہاں سے بالکل ہٹ جانا پڑا اور صورت حال بے حد نازک ہو گئی۔ اس موقع کے لیے مسٹر مالیسن نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھا ہے۔

"اب باغیوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی، شہر کا ہر مکان ہماری شست میں آچکا تھا"

اختتامی معرکے سے متعلق ڈاکٹر بھوفسن نے تحریر کیا ہے۔

"مگر اس دوران مولوی کی مدد کے لیے حضرت بیگم اور فیروز شاہ کی کمکیں آپہنچی تھیں، اور ۵ار مئی کو ان کی معیت میں مولوی احمداللہ شاہ آندھی کی طرح برطانوی مورچوں کی بیخ کنی کررہا تھا۔ اب سر کولن کیمبل۔ کمانڈر انچیف کے سامنے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ رہ گیا تھا کہ وہ خود بھاگ کر مولوی کے محاصرہ کی شکار، برطانوی افواج کو رہا کرائے۔ چنانچہ ۱۸ار مئی کو وہ یہاں پہنچا تو مولوی کے زیر کمان مجاہدوں کی طاقت کمزور پڑ گئی۔ ان کو آس پاس کے رؤسا۔ اور امراء، کی اعانت کا سہارا لینا پڑا ـــ اس سلسلے میں گماشتے اور تحریری اپلیں چاروں طرف بھیجے گئے۔ اس تحریک کے اثرات نمایاں نہ ہو پائے تھے کہ ایک دن پووین کے ایک راجپوت تعلقہ دار نے شاہجہاں پور سے چند میل کے فاصلہ پر مولوی کو گولی کا نشانہ بنا کر پچاس ہزار کی انعامی رقم جیت لی اور اس طرح جنگ حریت کی ہار پر تاریخ نے مہر ثبت کردی۔"

مولوی احمداللہ شاہ کی جانبازی اور جنگی اقدامات کی تفصیلات کے لیے جو مواد ہم کو ویر ساورکر کی مشہور عالم اور برطانوی دور کی ممنوعہ اشاعت تصنیف "ہندوستان کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" میں ملتا ہے وہ اور کہیں یکجا میسر نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی حُر کے جذبۂ ایثار و شہادت کی داد ایک سر بکف غازی ہی دے سکتا ہے۔ اس لیے ہم در دوست اس کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس میں سے جستہ جستہ اُن اقتباسات کا ترجمہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو مولوی موصوف سے متعلق ہیں۔ تحریک آزادی میں ان کی شرکت کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تصنیف کے باب ۹ میں ویر ساورکر رقم طراز ہیں:۔

میرٹھ میں بغاوت شروع ہو جانے کی اطلاع آتے ہی فیض آباد میں متعینہ انگریز افسران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں خوف وہراس کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ان کو ڈر یہ تھا کہ مقامی آبادی اور خصوصاً تعلقہ داروں پر جو ظلم کیے گئے تھے ان کا بدلہ بے رحمی سے لیا جائے گا۔ اس لیے ان کے لیے حفاظتی تدابیر پر غور کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اپنے اہل وعیال کو وہ لکھنؤ اس لیے نہ بھیج سکتے تھے کہ تمام راستے پوری طرح انقلابیوں کے ہاتھوں میں آچکے تھے، فیض آباد میں رہ کر وہ جنگی تیاری بھی جاری نہ رکھ سکتے تھے کیونکہ وہاں ان کی پوری فوج تمام تر ہندوستانیوں پر مشتمل تھی۔ اس طرح ساری انتقامی اور حفاظتی کارروائیوں کے لیے راستے بند تھے چنانچہ مجبور ہو کر ان انگریز افسران کو اپنی اور اہل وعیال کی حفاظت کے لیے راجہ مان سنگھ سے رجوع کرنا پڑا۔

بڑی مشکل سے راجہ اس کے لیے تیار ہوا کہ انگریز عورتوں اور بچوں کو اس کے قلعہ میں بھیج دیا جائے۔ تاہم اُس نے یہ بات صاف کر دی کہ یہ ممکن ہو سکتا ہے عوام اس اقدام پر ناراض ہو جائیں اور خود قلعہ بھی معرضِ خطر میں آجائے۔ پھر بھی انگریزوں کے اہل وعیال مان سنگھ کے پاس پہنچا دیے گئے، اور شاہ گنج کے قلعہ میں محفوظ کر دیے گئے۔

جب انگریز یہ حفاظتی تدابیر اختیار کر رہے تھے انقلاب کے شعلے بڑی توانائی کے ساتھ فیض آباد کے علاقہ کو اپنی گرفت میں لے چکے تھے مولوی احمد شاہ جن کا نام جنگ آزادی کی تاریخِ ہندوستان میں سرِ فہرست آنا چاہیے اُن تعلقہ داروں میں سے ایک تھے جن کی املاک انگریز نے ضبط کر لی تھی اور انھوں نے عہد کیا تھا کہ موقع آنے پر وہ اپنی جائداد کا ایک ایک انچ واپس لیں گے۔ ان لوگوں نے یہ بھی قسم کھائی تھی کہ اپنی مادرِ وطن کی سرزمین کو بھی بیرونی غاصب سے آزاد کرانے میں اپنے سر کی بازی لگا دیں گے۔ اودھ کی پوری سلطنت کو انگریز غصب کر بیٹھا تھا۔ اس لیے بغاوت سے پیدا شدہ حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھانا احمد شاہ کے بلند معیار کے مطابق ملک کی اور مذہب کی اولین خدمت تھی۔ چنانچہ وہ اس فرض کی ادائیگی میں اپنی جان کی بازی لگانے کے لیے تیار تھے۔ ابتداءً انھوں نے ایک عالم دین اور خطیب کا منصب اختیار کیا اور سارے ملک میں خفیہ طور پر دورے کرتے اور عوام تک انقلاب اور آزادی کا پیغام پہنچاتے رہے۔ جہاں جہاں ان کے قدم پہنچے وہاں وہاں لوگوں کے ذہنوں پر ہدایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور آگاہی کی روشنی پھیلتی چلی گئی۔انھوں نے دور اور قریب کے مجاہدین ملّت سے حالات حاضرہ پر تبادلۂ خیال کیا۔ سب ہی ان کے جذبۂ خلوص و ایثار سے متاثر ہوئے، اودھ کے شاہی خاندان کے لیے تو ان کا ادنیٰ سا اشارہ حکم نامہ کا درجہ رکھتا تھا۔ آگرہ میں انھوں نے ایک خفیہ جماعت کی تنظیم کی جس کا کام مجاہدین کی اعانت کرنا، ان کو ضروری معلومات بہم پہنچانا تھا۔ لکھنؤ میں مولوی احمد اللہ شاہ نے برطانیہ کی طاقت کی بیخ کنی کے لیے کھلم کھلا اعلانات جاری کیے تھے، وہ سارے اودھ کے محبوب ترین رہنما تھے۔ کیونکہ انھوں نے اپنے تن من اور فکر و عمل اور آتش بیانی کے جملہ وسائل آزادیٔ وطن کی راہ میں نچھاور کر دیے تھے۔ جگہ جگہ خفیہ انجمنوں کا قیام عمل میں لا کر، انقلاب کی ضرورت سے متعلق رسالے شائع کرا کر انھوں نے جنگ آزادی کے مقام کو قومی فرض کا رتبہ دیا تھا اور عوامی فہم کے قریب کر دیا تھا۔ نتیجتاً انگریزوں کے خلاف جارحانہ کارروائیاں بڑھتی اور عوام کا اعتماد حاصل کرتی چلی گئیں۔ گویا ان کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قلم ایک ساتھ کام کر رہے تھے۔

مولوی احمد اللہ شاہ کو اس بے دھڑک طور پر سرگرم عمل دیکھ کر انگریزوں نے ان کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیے مگر اودھ کی پولیس نے اس مقبول عام رہنما کی گرفتاری کی تعمیل میں ضروری اقدام سے گریز کیا۔ مجبوراً فوجی طاقت نے یہ کام انجام دیا۔ ان پر بغاوت انگیز پروپیگنڈہ کرنے کا مقدمہ چلایا گیا اور فوراً سزائے موت کا حکم بھی صادر کر دیا گیا۔ لیکن وقتی طور پر ان کو فیض آباد کی جیل میں قید کر دیا گیا۔"

یہاں تک حالات قلم بند کرنے کے بعد سادر کر حاشیہ کتاب پر مالیسن کی کتاب "انڈین میوٹنی"، کا مندرجہ ذیل اقتباس درج کرتے ہیں:۔

"بغاوت کے آغاز سے پہلے مولوی نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ کا سفر اختیار کیا اور اہلِ ملک کے دلوں میں بغاوت کی آگ بھڑکا دی۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ۱۸۵۷ء میں جو بغاوت انگیز لٹریچر اودھ میں گاؤں گاؤں تقسیم ہوا تھا وہ اسی مولوی کے قلم سے نکلا تھا۔ پولیس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کو گرفتار کرنے سے دریغ کیا اور یہ کام فوج سے لینا پڑا۔ اس پر مقدمہ چلا اور موت کی سزا صادر ہوئی۔ مگر قبل اس کے کہ اس فیصلہ پر عمل در آمد ہو، اودھ میں بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے اور جیسا کہ یورپ کی تاریخ میں بھی اکثر ہوا ہے، یہ باغی مولوی قید خانہ سے نکل کر طاقت اور ناموری کے تخت پر جلوہ افروز ہو گیا"

ساتھ ساتھ گبن (Gibbon) کا یہ بیان بھی حاشیۂ کتاب پر نقل کیا ہے۔

"بلوائیوں نے فیض آباد کے مولوی کو جیل سے رہا کرا دیا۔ وہ مدراسی نژاد، باعزت مسلم خاندان کا ایک فرد تھا۔ شمالی ہندوستان میں دور دراز کے دورے کر کے اس نے عوام الناس کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ انھیں بغاوت انگیز حرکات کی بنا پر اس کا آگرہ سے اخراج عمل میں آیا تھا"

کتاب کے باب ۹ میں وریسا ورکر اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہاں سے مولوی فیض آبادی اور انگریزوں کے درمیان ایک طویل دوڑ شروع ہوتی ہے۔ ایک طرف مولوی انگریزوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا بندوبست کرتا ہے اور دوسری طرف مؤخر الذکر بھی برابر اس تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ جلد سے جلد کب مولوی کو دار پر چڑھایا جائے۔ مگر اس عجلت کے باوصف انگریزوں کا یہ فیصلہ کہ مولوی کو فیض آباد کی جیل میں رکھا جائے۔ ایک ایسا عمل تھا جس کے ذریعہ انھوں نے خود اپنے واسطے دار کا انتظام کر لیا تھا۔ مولوی کی گرفتاری نے بارود کے لیے چنگاری کا کام کیا اور فیض آباد کے بغاوتی میگزین میں آگ لگا دی۔ دفعتاً شہر کی آبادی نے اور خود فوج نے جو زیادہ تر ہندوستانیوں پر مشتمل تھی علی الاعلان بغاوت کا بگل بجا دیا۔ جب انگریز افسر پریڈ گراؤنڈ میں فوجی انسپکشن کے لیے پہنچے تو سپاہیوں نے دلیرانہ ہم آہنگی سے ان کو بتلا دیا کہ سپاہی اپنے ہم ملکی افسران کے علاوہ کسی کا حکم نہ سنیں گے اور یہ کہ اب ان کا فوجی سربراہ صوبہ دار دلیپ سنگھ ہو گا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی صوبہ دار دلیپ سنگھ نے سب انگریز افسروں کو گرفتار کر لیا اور پھر آگاہ کیا کہ ان میں سے کوئی بھی بارہ قدم کے حصار سے باہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اودھ چھاؤنی کی خبر نہیں۔ اس خبر پر فوراً ہی شہریوں کا ایک انبوہِ کثیر اور سپاہیوں کی ٹکڑیاں جیل کی طرف دوڑ نے لگے۔ وہاں کی پاک زمین قوم کے لیڈر اور مجاہد مولوی احمد شاہ کے قدموں سے مقدس و مبارک بن چکی تھی۔ جیل کے دروازہ کے کھلتے کا دھما کا ہوا اور عوام کے پُر جوش نعروں کے درمیان مولوی احمد اللہ شاہ کی قید و بند کی سب زنجیریں توڑ ڈالی گئیں اور آناً فاناً لوگوں کا محبوب لیڈر ان کے سامنے آکھڑا ہوا۔

یہ مولوی صاحب کی حیاتِ ثانی کا آغاز تھا۔ انگریز استبدادیت جوان کو پھانسی دینا چاہتی تھی اب خود ان کی پھانسی کا شکار معلوم ہوتی تھی۔ رہائی کے فوراً بعد مولوی احمد شاہ نے فیض آباد کی انقلابی مہم کی کمان اپنے ہاتھوں میں لے لی۔

(۲) سزائے موت کے فیصلے کے انتقام کے طور پر انھوں نے کرنل لین ناکس (Lane Knox) کو جو اس وقت حراست میں تھا ایک پیغام بھجوایا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ وہ شکر گذار ہیں کہ ان کو قید خانہ میں لانے کی اجازت حاصل تھی۔ اس اخلاقی ذمہ داری کی ادائیگی کے بعد انگریزوں کو آگاہ کیا گیا کہ وہ فیض آباد چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ ان کو لوٹ مار سے بچانے کے لیے (ایسے حادثات دوسرے مقامات پر پیش آرہے تھے) سپاہیوں کا ایک دستہ تعینات کیا گیا۔ سرکاری عمارتوں کو آتش زدگی سے بچانے کے انتظامات کیے گئے۔ پندرھویں رجمنٹ نے اشتعال میں سب انگریزوں کو تہ تیغ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر افسرانِ اعلیٰ نے مولوی احمد اللہ شاہ کے وعدہ کا احترام کرتے ہوئے اس راہِ عمل سے دریغ کیا اور انگریز افسران کو مع اہل و عیال کے گذر جانے دیا بلکہ ان کو آزادی دی گئی کہ اپنے اسباب میں سے جو کچھ لے جانا چاہیں لے جائیں۔ بشرطیکہ سرکاری املاک کو جو اب بادشاہ اودھ کی ملکیت میں آگئی تھیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ مزید برآں ان لوگوں کے لیے کشتیوں کا انتظام بھی کیا گیا اور زادِ راہ کے طور پر رقوم تقسیم کی گئیں۔ اسٹیمر پر قافلہ کشتیوں میں بٹھا کر دریائے گھاگھرا کے راستہ روانہ کیا گیا۔

۹ر جون کو ایک سرکاری اعلان جاری ہوا۔ جس میں بتلایا گیا تھا کہ فیض آباد انگریزی تسلط سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آزاد تھا اور کمپنی بہادر کی حکومت ختم ہو چکی تھی۔ فیض آباد کی مثال لے کر آس پاس کے شہروں اور قصبوں میں بھی آزادی کا جھنڈا لہرا گیا اور ۱۰ جون تک اودھ کا سارا صوبہ پوری طرح آزاد ہو گیا۔ باغی سپاہیوں کی ٹکڑیوں اور جنگ آزادی کے والنٹیروں نے لکھنؤ کی جانب کوچ کرنا شروع کر دیا۔

سر ہنری لارنس وہاں ابھی تک جوں توں کر کے پاؤں جمائے تھا۔ ۳۰ مئی کو جب سپاہیوں نے علم بغاوت بلند کیا تو اس کے پاس صرف ایک انگریز رجمنٹ اور دو ایسی ہندوستانی رجمنٹیں تھیں جن کی وفاداری کا امتحان کیا جا چکا تھا۔ کانپور کے محاذ پر انگریزوں کی فاش شکست نے اس کے اقتدار پر ضرب کاری لگائی تھی۔ اب یہ مقابلہ کے لیے تیار تھا اور لکھنؤ کے محاذ پر اس کھوئے ہوئے بھرم کی تلافی کا خواہشمند تھا جس کی قبر کانپور میں بن چکی تھی۔

۱۹ جون تک انگریزوں کے فوجی دستے آہنی پل کے قریب جمع ہو چکے تھے۔ اب سر ہنری لارنس چار سو انگریز فوجیوں چار سو دیسی سپاہیوں اور چار توپوں کے ساتھ لکھنؤ سے روانہ ہوا۔ بہت دور تک اس کو غنیم کا کوئی نشان نہ ملا۔ لیکن اس کے بعد اس کو باغی فوج کے پیشرو دستے دکھائی دیے۔ فوراً ہی سر ہنری نے قریب کے ایک گاؤں پر قبضہ کر کے پڑاؤ ڈال دیا۔ جہاں سے انگریز افسران اور ان کی ہندوستانی فوج نے تڑا تڑ گولوں کی بوچھار کر دی۔ یہاں تک کہ مجاہدین آزادی کی بندوقیں سرد پڑ گئیں۔ انگریزوں کا چنہٹ (Chinhut) پر قبضہ ہو گیا۔ مگر اس کے کچھ ہی بعد زبردست شور ہوا کہ مجاہدین اچانک بائیں سمت سے ٹوٹ پڑے ہیں۔ انھوں نے جم کر انگریزوں کے وسطی اور عقبی دستوں پر ضرب کاری لگائی۔ انگریز جان بچا کر بھاگ پڑے۔ مگر آزادی کے سپاہی برابر ان کے تعاقب میں رہے اور انگریزوں کے چھکے چھڑا دیے اور وہ واپس لکھنؤ کی جانب دوڑ گئے۔

جب سر ہنری لکھنؤ پہنچ کر ریزیڈنسی میں پناہ کے لیے داخل ہو رہا تھا تب بھی انقلابی فوج کے دستے ان کے تعاقب میں تھے۔ فوجی محاسبہ کی رو سے اس وقت انگریزوں کی فوجی طاقت بے دست و پا تھی اور ایک طرح انقلابیوں کے اسیر تھے۔ چنہٹ پر مجاہدین کی فتح سے اودھ میں انگریزوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی طاقت کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ اودھ میں انگریزوں کی شکست کے اس ڈراپ سین کے بعد آزادی کی کشمکش کے دوسرے مورچوں پر انگریزوں نے عسکری قوت کو مضبوط کرلیا اور وہ سکھ فوج کی مدد سے دہلی پر قابض ہوگئے۔ ساورکر کی زبان سے انگریزی افواج کے کمانڈر انچیف سر کالن کے فتح گڈھ میں فاتحانہ داخلہ کی روداد سنیے:

"۴ جنوری ۱۸۵۸ء کو انگریزی افواج کا کمانڈر انچیف فاتحانہ طور پر فتح گڈھ میں داخل ہوتا ہے۔ دوآبہ کا مکمل علاقہ اور بنارس سے میرٹھ تک وسطی ملک برطانوی افواج کے زیر نگیں آچکا ہے۔ جنگ کے ماہرین اندازہ لگا رہے ہیں کہ دوآبہ کے بعد دہلی کا مغلوب ہو جانا یقینی ترین قیاس ہے۔ پھر بغاوت کا خاتمہ ہو جانے میں مشکل سے ایک ہفتہ لگے گا۔ مگر ایسا نہ ہوسکا۔ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد انقلابیوں کی طاقت اس طرح سربلند ہوئی جیسے زمین پر پٹکنے سے ربر کی گیند اُچھلتی ہے۔ جیسے سیلابی طوفان دور دراز سمتوں تک پھیل جاتا ہے۔ اُمید کے خلاف، دہلی کی شکست سے انقلابیوں کا جذبۂ انتقام شدید تر ہوگیا تھا۔ آخر لمحۂ حیات تک جنگِ آزادی جاری رکھنے کا اٹل فیصلہ کرکے وہ پھر سے اس آگ میں کود پڑے تھے۔ اگرچہ باغیوں کے سربراہوں کے آپسی اختلافات بھی سر اُٹھا رہے تھے تاہم برطانیہ کی طاقت کے خلاف یہ اب بھی متحد تھے۔

اودھیا اور روہیلکھنڈ کے صوبے درو بست مجاہدین آزادی کے ہاتھ میں تھے۔ سر کالن کا پہلا نشانہ روہیلکھنڈ تھا۔ اس کی فتح کے بعد ہی لکھنؤ کا راستہ کھل سکتا تھا۔ لارڈ کیننگ کا خیال بھی یہی تھا کہ باغیوں کے گڈھ لکھنؤ کی فوجی اہمیت کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے۔ اس تجویز پر عمل شروع کرنے کے لیے سیٹن (Seaton) والپول (Walpole) اور کمانڈران چیف کے دس گیارہ ہزار متحدہ فوجی دستے فتح گڈھ میں آچکے تھے۔ پھر آگرہ سے بھی مزید کمک پہنچ گئی تو کالن نے فتح گڈھ سے کوچ کیا۔ ۳ فروری کو کانپور کے راستہ سے گنگا کو عبور کیا۔ اُدھر نیپال سے جنگ بہادر نیپالی فوج لے کر لکھنؤ کی بربادی کے لیے چلا آرہا تھا۔ بقول ویر ساورکر انگریز اس کے دوست اور ہندوستانی اس کے دشمن تھے۔ لیجیے یہ داستان ساورکر سے ہی سنیے:-

© rasailojaraid.com